
THE SHOES



FERDINANDO

GILLETTE کا آدمی، جوئے

فرق کیا ہے؟

10 نومبر 1984 تھی، صبح 9:30۔ میرے والد نے میرے کمرے کا دروازہ کھولا، روشنی اندر آنے دی اور بولے، “نینڈو، دروازے پر Carabinieri کھڑے ہیں اور تمہارا پوچھ رہے ہیں۔ سالے، کیا کر آئے ہو تم؟”

“ابا،” میں نے کہا، “مذاق کر رہے ہیں؟ مجھے سونے دیں۔ میں آج صبح دیر سے لوٹا ہوں۔ کل میلانیا نے میرا کچومر نکال دیا۔”

“یہ سالی میلانیا کون ہے؟ اپنی گانڈ اٹھاؤ، منہ دھوؤ، کپڑے پہنو اور باہر نکلو۔ ان سے بات کرو اور پتا کرو کہ کیا چاہتے ہیں۔” “اچھا، آ رہا ہوں۔”

مارشل پوسکا اور نائب بریگیڈیئر پاتانے نے میرا شناختی کارڈ دیکھا اور پھر مجھ سے کہا: “اگر تم 17 نومبر کو اپنی لازمی فوجی خدمت پوری کرنے کے لیے کاسیرتا میں فیراری اور سی بکتر بند دستوں کے اسکول میں حاضر نہ ہوئے تو ملٹری پراسیکیوٹر کا دفتر کل صبح سویرے ہی وارنٹ گرفتاری جاری کر دے گا۔ ہم آئیں گے، تمہیں اٹھائیں گے اور جیل لے جائیں گے۔”

میں نے انہیں دیکھا اور کہا، “کافی پٹیں گے؟ میں ابھی ابھی جا گا ہوں۔ ابھی آتا ہوں، پھر آپ مجھے اس فلم کا دوسرا آدھا حصہ سنا دیجیے گا۔ ماننا پڑے گا، آپ لوگ مزے کے ہیں۔”

میرے والد نے سپاہیوں کو اشارے سے بتایا کہ میرا دماغ چل گیا ہے، اور وہ رک گئے۔ جب میں باورچی خانے سے واپس آیا تو میں نے پوچھا کہ کیا مجھے بھرتی کا کوئی کارڈ ملنا

چاہیے تھا۔ ان کے پاس ایک رسید تھی جس پر میری ماں کے دستخط تھے، جو عین اس وقت کام پر تھی۔

ایک سیکنڈ بھی مزید ضائع کیے بغیر میں نے اس غلط فہمی پر معذرت کی اور انہیں یقین دلایا کہ میں مقررہ دن وہاں ہوں گا، وہ کپڑے پہننے کو تیار جو آدمی بارہ مہینے پہنتا ہے، یہاں تک کہ دہی کی طرح ان کی میعاد ختم ہو جاتی ہے۔

میں تیار ہو گیا۔ جس رات میں روانہ ہوا، میرے والد نے بازو ہلا کر مجھے رخصت کیا۔ جب میں نے ان سے کہا کہ میرے چند لیروں میں — آج کے دس یورو کے برابر — کچھ اور ملا دیں تو وہ بولے، ”انہی سے کام چلاؤ۔ تمہیں مہینے کے 60 ہزار لیرے ملیں گے۔ بس اسی پر گزارا کرنا ہو گا۔“

میری ماں نے سوتی بن کر جواب نہ دیا۔ رات 11:45 پر میرا دوست اور بستے اپنے باپ کی Fiat 850 میں میرے گھر آیا — اس کا باپ ریلوے میں کام کرتا تھا — اور مجھے اسٹیشن چھوڑ آیا۔ اس وقت اپنے ماں باپ کا رویہ میری سمجھ میں نہ آیا۔ جو انہوں نے کیا وہ مجھے معمول کی بات لگی۔ وہ میرا پہلا اصلی سبق تھا۔

میں اگلی صبح 6:10 پر نیپلز پہنچا، پھر کاسیرتا کی ٹرین پکڑی۔ اسٹیشن پر میں نے بیرکوں کا راستہ پوچھا اور پہاڑ تک مزید تیس منٹ پیدل چلا۔ میں نے ڈیوٹی افسر کو رپورٹ کی، جس نے کہا، ”ایک اور دیر سے آنے والا، بھرتی 9/84۔“ میں ایک نئے گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ ایک سال بعد وہاں سے نکلتا تھا۔

انہوں نے مجھے سیدھا کوارٹر ماسٹر کے پاس بھیج دیا۔ مجھے ایک پشتی تھیلا دیا گیا، جنگی بوٹوں کے دو جوڑے — ایک نیچا، ایک اونچا — ایک پیٹی، اونی جرابیں، کھانے کے دو ڈبے، ایک پیالہ، ایک چھاگل، دواؤں کے لیے اسٹیل کا ڈبا، کھیل کے جوتے، کیموفلاج وردی، ایک ٹوپی، ایک رسمی وردی، بیرک میں پہننے کی ایک فیز، دو نیکر نما جانگیے جو سیدھے پہلی جنگِ عظیم سے آئے تھے، اور پوری آستین کی دو اونی بنیائیں۔ میں مسکرایا، ابھی یہ جانے بغیر کہ وہ بنیائیں میری جان کس قدر بچائیں گی۔

یوں لگا تھا جیسے میں کسی فلم کے اندر ہوں۔ میں سیٹی بجاتا باہر نکلا، اور سامنے سے آتے ایک افسر نے مجھے روکا اور سلیوٹ نہ کرنے پر دو دن کی سزا دے دی۔ قسمت کا فیصلہ یہ تھا کہ میں اڑتالیس گھنٹے اپنے بستر تک محدود رہوں، کسی کو دیکھے بغیر۔

لگاتار دو صبحیں میری ڈیوٹی بیت انحلا پر لگی: 280 آدمیوں کے ہگ چکنے کے بعد ٹوائلٹ صاف کرنا — اور ان سب کا نشانہ اندر نہیں لگا تھا۔ مجھے گھن نہیں آئی۔ یہ بھی فوجی خدمت تھی۔ مجھے دیکھنا اور سیکھنا تھا کہ ہر کوئی ایک ہی رنگ کا نہیں ہگا، اور اس کی وجہ صرف کھانا نہیں۔

ایک ہفتے بعد میرے آبائی قصبے کے قریب کا ایک ساتھی فوجی مجھ سے ملنے آیا۔ اس کا نام فرانکو نکولو تھا، بھرتی 5/84۔ عام زندگی میں وہ جوتوں کے ایک عالمی شہرت یافتہ برانڈ کا سیلر نمائندہ تھا۔ میں اسے بھا گیا۔ چالیس دن بعد وہ میرے لیے اڑتالیس گھنٹے کی چھٹی نکلوآنے میں کامیاب ہو گیا، اور ہم اس کی گاڑی میں اڑتے ہوئے اکٹھے گھر پہنچے۔ اٹھ گھنٹے سڑک پر، مگر سودا برا نہ تھا۔

گھر پر میری ماں نے پوچھا کہ کیا میں بھاگ آیا ہوں۔ اسے امید تھی کہ میں کہیں زیادہ عرصے تک اس کے سر سے ٹلا رہوں گا۔ اتوار کی آدھی رات کو فرانکو نے مجھے لیا اور ہم واپسی کے سفر پر چل پڑے۔

میں بیٹھا ہی تھا کہ اس نے کہا کہ شراب کا پانچ لیٹر کا جگ اپنی ٹانگوں کے بیچ تھام لوں۔ وہ اس کے مارشل کے لیے تھا — اس کی نظرِ کرم میں رہنے کا ایک طریقہ۔ مگر بیرکوں تک پہنچتے پہنچتے ہم نشے میں دھت تھے۔ ہم نے فوراً دو دن کے لیے بیماری کی رپورٹ لکھوا دی۔

پھر ایک افسر نے سب کے سامنے فرانکو کو دھمکی دی۔ فرانکو نے جواب دیا، ”جس لمحے ہم بیرکوں سے باہر قدم رکھیں گے، میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“ افسر نے اسے گرفتار کروا کر کورٹ مارشل کروا دیا۔ اسے فوجی جیل میں ساٹھ دن کی سزا ملی۔

میں نے اسے وہاں پہر کبھی نہیں دیکھا، کیونکہ میرا تبادلہ کہیں اور ہو گیا تھا۔ مگر جب وہ وقت گزر گیا تو ہم اکثر کام کی جگہ کے آس پاس ملتے اور مارشل کی شراب کو یاد کرتے ہوئے اکٹھے کھانا کھاتے۔

اس نے سیلف سروس جوتوں کی دکانیں کھول لی تھیں، اور کاروبار اچھا چل رہا تھا۔ جب بھی میں کچھ خریدنے رگتا، میری شاہانہ خاطر ہوتی — رعایت کے اوپر ایک اور رعایت۔ مگر صرف میں جانتا تھا کہ وہ مجھ سے بہتر سیلزمین ہے۔ میں نے کبھی ایک لفظ نہ کہا۔ میں پہلے ہی Gillette کا آدمی تھا۔

رنگروٹوں کا تربیتی مرکز

تربیت شروع ہوئی: ایک رائفل کھولنا اور دوبارہ جوڑنا، پہر دوسری، پہر ایک پستول۔ ان کی صفائی۔ مارچ، دوڑ، وقفے، میس ہال، بیرکوں کی ضروری ڈیوٹیاں، سپاہیوں کا میس، نان کمیشنڈ افسروں کا میس اور افسروں کا میس۔

کرسمس تھی، رات کے نو بجے، کڑا کے کی سردی۔ وہ اونی بنیانیں جان بچا گئیں، خاص طور پر جب ہماری پہلی پہرے داریاں شروع ہوئیں۔ پہر انعام میں ہمیں بارود خانے کی پندرہ دن کی پہرے داری ملی۔ نہانا دھونا ایک سراب تھا۔ جانگیے کے اندراب طفیلی کیڑے اور میل میں فرق کرنا ممکن نہ رہا تھا، نہ تل اور جوں میں۔

درجہ حرارت پاگل کر دینے والا تھا: منفی تیس۔ پیشاب کرنا ناممکن تھا — وہ جم جاتا، اور تم اپنے لوڑے سے لٹکتی پیشاب کی برفانی سلاخ لیے پھرتے۔ ہاھاہاہا۔

اور اگر تم نے سو جانے کا خیال بھی کیا ہوتا تو سزا اور جیل کا خطرہ مول لیتے۔ مسئلہ یہ نہ تھا کہ جانا کہاں ہے: ہم وہیں تو پہرے پر کھڑے تھے، قیدیوں اور گولہ بارود کے کارخانوں کے پیچ۔

ایک فارغ شام میں افسروں کے میس سے کچھ فاصلے پر تھا۔ میں نے خوبصورت، خوشبو میں بسی عورتوں کو اپنے افسروں کے ساتھ رقص کے لیے آتے دیکھا، جن سے دلکشی اور

طاقت پھوٹ رہی تھی۔ اور میں سمجھنے لگا کہ میرے والد کو بائیس برس کی عمر میں کیسی مشکل کا سامنا ہوا ہوگا، جب انہوں نے بکتر بند رسالے میں کپتان کی حیثیت سے فوج چھوڑی۔ ٹینک۔ وہی چیزیں جو مجھے چلانی تھیں، بس یہ کہ میں ان کے اندر سماتا نہ تھا۔

مگر ایک سہ پہر میرے کمپنی کمانڈر نے مجھے ایک بیرونی ڈیوٹی کے لیے بلایا۔ مجھے ایک خاتون کو گاڑی میں نیپلز لے جانا تھا۔ کسی نے نہ بتایا کہ وہ کون ہے۔ بعد میں پتا چلا: وہ بیرکوں کے کمانڈنگ جنرل کی بیٹی تھی۔

انتخاب مجھ پر آٹھرا تھا، اور کوئی مجھے بتا نہ سکا کہ کیوں۔ میں سپاہی تھا، یہ سرکاری مشن تھے، جن کا الگ معاوضہ ملتا تھا۔ مگر پیسہ پوری کہانی نہ تھا۔

اس کا نام کارلا تھا۔ اڑتیس برس کی، نہ کبھی شادی ہوئی، نہ منگنی۔ خوبصورت کہنا تو اس کا حق ادا ہی نہیں کرتا — اشتعال انگیز اور شرارتی، کم سے کم کہا جائے تو۔

یہ میری پہلی ننگی نیکی تھی، اور بالکل بری نہ تھی۔ سنا کہ اس نے مجھے دوبارہ ڈھونڈا، مگر تب تک مجھے فوج کے کھلاڑیوں کی کمپنی میں بھیجا جا چکا تھا۔ میں رگبی کھیلتا تھا، اور بعد میں فوجی قومی ٹیم میں جگہ بنا لی۔

جوتے

جوتے ایسی چیز ہیں جن کے بارے میں ہم شاذ ہی سنجیدگی سے سوچتے ہیں، حالانکہ جسم اور ذہن کے لیے ان کی اہمیت بے حد ہے۔ ان دنوں یہ بات اور بھی اہم تھی کہ وہ چمڑے کے ہوں — وہ واحد مواد جو تمہارے پاؤں خشک اور تمہارا پورا جسم چلتا رکھتا تھا۔

میں نے کبھی زیادہ جوتے نہیں گھسائے۔ میرے پاس بہت کم رہے، اور جوتھے انہی کی مرمت کروانے کی ہمیشہ کوشش کی۔ مجھے کام سے غرض تھی، شکل سے نہیں۔ تم جسے

چاہو، جن جوتوں سے چاہو، گانڈ پر لات مار سکتے ہو، اور کوئی نہیں دیکھتا کہ ان پر کسی ڈیزائنر کا لیبل ہے یا نہیں۔

آج میری بیوی مجھ سے کہتی ہے کہ جوتوں کی ایک سیلف سروس دکان پر رک جاؤں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ وہ دکان کبھی میرے ساتھی فوجی فرانکو کی تھی، اور ہم اندر چلے جاتے ہیں۔

چالیس سال گزر چکے ہیں۔ وہ اب بھی ویسی ہی ہے — وہی ترتیب۔ میری بیوی اپنے جوتے چنتے ہوئے ڈبے مجھے تھماتی جاتی ہے اور پھر انہیں پہن کر دیکھنے بچوں کی طرف چلی جاتی ہے۔

اتنے میں ایک عورت پوچھتی ہے کہ خواتین کا حصہ کہاں ہے، اور میں راستہ دکھا دیتا ہوں۔ ایک صاحب پوچھتے ہیں کہ فلاں جوتا 41 نمبر میں ہے یا نہیں، اور میں انہیں بتاتا ہوں کہ وہ نمبر ختم ہو چکا ہے۔ جوتے پہن کر دیکھتی دو عورتیں میری رائے مانگتی ہیں، اور میں ان سے کہتا ہوں کہ ان جورڑوں میں وہ لاجواب لگ رہی ہیں۔

میری بیوی کو کچھ نظر نہیں آتا۔ بیس منٹ کے لیے، خود کو خبر ہوئے بغیر، میں دکان کا سیلزمین بن چکا ہوں۔ ہر کوئی میرے پاس آتا ہے۔ مردوں کو میں سرد مہری اور بدتمیزی سے جواب دیتا ہوں، جبکہ عورتوں کو ان کے انتخاب پر میری ساری داد ملتی ہے۔

کاؤنٹر پر بھیڑ لگ جاتی ہے اور کیش مشین بیٹھتے بیٹھتے بچتی ہے۔ مالک کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ہو کیا رہا ہے۔ ہم اپنے جوتوں کے پیسے دیتے ہیں اور باہر کا رخ کرتے ہیں، مگر پہلے میں پوچھتا ہوں کہ کیا وہ فرانکو کو جانتا ہے۔ ”جی،“ وہ کہتا ہے، ”وہ میرے والد ہیں۔“ ”تو انہیں میرا سلام کہنا۔“

ہم نکلتے ہیں تو عورتیں میری طرف اشارہ کرتی اور ہاتھ ہلاتی ہیں۔ میری بیوی کو اب بھی کچھ نظر نہیں آتا۔

مسئلہ کوئی دو گھنٹے بعد کھڑا ہوتا ہے، جب میری بیٹی اسی جوتوں کی دکان پر واپس جانا چاہتی ہے۔ وہاں مالک کا بیٹا مجھے ایک طرف لے جاتا ہے اور کہتا ہے، ”مسٹر فریگا، میں نے کاؤنٹر پر کچھ نہیں کہا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ گاہک سنیں اور تماشہ بنے۔ ابو کو 2021 میں ایک ہولناک حادثہ پیش آیا تھا، اور 2023 میں وہ ہمیں چھوڑ گئے۔“

مجھے سچ مچ دکھ ہوتا ہے۔ میں اس کے بیٹے کو ایک قصہ سناتا ہوں جو میں نے اس کے باپ کے ساتھ جیا تھا، اور وہ آنکھوں میں آنسو لیے مجھے زور سے گلے لگا لیتا ہے۔

میری بیٹی اپنے جوتے خریدتی ہے، پیسے دیتی ہے، اور ہم نکل پڑتے ہیں۔ رخصت کرتے ہوئے بیٹا آواز دیتا ہے، ”مجھ سے ملنے آئیے گا۔ مجھے آپ جیسے سیلزمین چاہییں، جو مفت کام کریں۔“ اور میں کہتا ہوں، ”تم نے میری کتابیں ڈاؤن لوڈ نہیں کیں نا؟“

وہ مسکراتا ہے۔ اور زندگی چلتی رہتی ہے۔

فرڈیننڈو